بابری مسجد تاریخ کے مختلف مراحل میں

مسجد کی تعمیر اور اس کی تاریخی حیثیت

تین گنبدوں والی یہ قدیم مسجد شہنشاہ ''بابر'' کے دور میں اودھ کے حاکم ''میر باقی اصفہانی'' نے ۹۳۵ھ/ ۱۵۲۸ء میں تعمیر کرائی تھی، مسجد کے مسقّف حصہ میں تین صفیں تھیں اور ہر صف میں ایک سو بیس نمازی کھڑے ہوسکتے تھے، صحن میں چار صفوں کی وسعت تھی، اس طرح بیک وقت ساڑھے آٹھ سو مصلی نماز ادا کرسکتے تھے۔

مسجد کے درمیانی مرکزی در کے اوپر دو میٹر لمبی اور پچپن سینٹی میٹر چوڑی پتھر کی تختی کا ایک کتبہ نصب تھا، جس کی پہلی اوپر سطر میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و بہ ثقتی'' خوشنما بیلوں کے درمیان لکھا ہوا تھا، اور نیچے کی تین سطروں میں یہ اشعار تھے۔

بنام آنکہ او دانائے اکبر — کہ خالق جملہ عالم لامکانی
درود مصطفیٰ بعد از ستائش — کہ سرور انبیاء زبدہ جہانی
فسانہ درجہاں بابر قلندر — کہ شد در دور گیتی کامرانی
چنانکہ ہفت کشور در گرفتہ — زمیں را چوں مثالے آسمانی
درآں حضرت یکے میر معظم — کہ نامش میر باقی اصفہانی
مشیرِ سلطنت تدبیر ملکش — کہ ایں مسجد حصار ہست بانی
خدایا درجہاں تابندہ ماند — کہ چتر وتخت و بخت و زندگانی
دریں عہد و دریں تاریخ میموں — کہ نہ صد پنج و سی بودہ نشانی

تمت ہذا التوحید ونعت ومدح وصفت نور اللہ برہانہ بخط عبد الضعیف نحیف فتح اللہ محمد غوری۔

اس بڑے کتبہ کے علاوہ اندرونِ مسجد منبر کی دونوں جانب ایک ایک کتبہ نصب تھا، ۲۷/مارچ ۱۹۳۴÷ کے ہنگامہ کے موقع پر جوگاؤکشی کے عنوان کا بہانہ بنا کر برپا کیا گیا تھا، مسجد میں گھس کر بلوائیوں نے توڑ پھوڑ کی تھی، جس میں یہ دونوں کتبے بھی اٹھالے گئے تھے، بعد میں ''تہور خاں ٹھیکیدار'' نے منبر کی بائیں سمت والے کتبہ کی نقل تیار کرا کے اسی پہلی جگہ پر اسے نصب کرادیا، داہنی جانب کے کتبہ کی ایک نقل سید بدرالحسن فیض آبادی کے پاس محفوظ تھی، اس لئے اس کتبہ کی عبارت بھی دستیاب ہوگئی۔

بائیں سمت کا کتبہ حسب ذیل اشعار پر مشتمل تھا۔

بفرمودۂ شاہ بابر کہ عدلش بنائیست با کاخ گردوں ملاقی
بناکرد ایں مہبط قدسیاں را امیر سعادت نشاں میر باقی
بود خیر باقی و سال بنائش عیاں شد چوں گفتم بود خیر باقی

داہنی جانب والے کتبہ کے اشعار یہ تھے۔

بمنشائے بابر خدیو جہاں بنائے کہ با کاخ گردو عناں
بنا کرد ایں خانۂ پائیدار امیر سعادت نشاں میر خاں
بماند ہمیشہ چنیں بانیش چناں شہر یارِ زمیں و زماں

ابتدائے تعمیر سے بابری مسجد میں نماز پنج گانہ اور جمعہ ہوتا رہا ہے، عدالتی کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی قریب یعنی ۱۸۵۸÷ سے ۱۸۷۰÷ تک اس مسجد کے امام و خطیب ''محمد اصغر'' تھے، ۱۸۷۰÷ تا ۱۹۰۰÷ کی درمیانی مدت میں مولوی ''عبدالرشید'' نے امامت کے فرائض انجام دیئے، ۱۹۰۱÷ سے ۱۹۳۰÷ کے عرصہ میں یہ خدمت مولوی عبدالقادر کے سپرد رہی، اور ۱۹۳۰÷ سے ۱۹۴۹÷ مسجد کے قرق ہونے کی تاریخ تک مولوی عبدالغفار کی اقتداء میں مسلمان اس مسجد میں نماز پنج وقتہ اور جمعہ ادا کرتے تھے، یہ آخری امام ابھی حیات ہیں۔

بابری مسجد کے مصارف کے واسطے عہد مغلیہ میں مبلغ ساٹھ روپے سالانہ شاہی خزانے سے ملتے تھے، نوابان اودھ کے دور میں یہ رقم بڑھا کر تین سو دو روپے تین آنہ چھ پائی کردی گئی تھی، برطانوی اقتدار میں بھی یہ رقم بحال رہی، پھر بندوبست اول کے وقت نقد کی بجائے دو گاؤں بھورن پور اور شولا پور متصل اجودھیا اس کے مصارف کے لئے دیئے گئے، غرض کہ اپنی ابتداء تعمیر ۹۳۵ھ/ ۱۵۲۸ء سے ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء تک یہ مسجد بغیر کسی نزاع واختلاف کے مسجد ہی کی حیثیت سے مسلمانوں کی ایک مقدس ومحترم عبادت گاہ رہی اور مسلمان امن وسکون کے ساتھ اس میں اپنی مذہبی عبادت ادا کرتے تھے۔

﴿۲﴾

مسجد، مندر قضیہ کا آغاز

مستند تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ بابری مسجد کی تعمیر سے صدیوں پہلے مسلمان اجودھیا میں آباد تھے، اور یہاں کے ہندو مسلم پوری یک جہتی اور یگانگت کے ساتھ رہتے سہتے تھے، ۱۸۵۵ء/۱۲۷۲ھ سے پہلے کسی مذہبی معاملہ میں یہاں کے باشندوں کے درمیان کوئی تنازعہ رونما ہوا یا باہمی ٹکراؤ کی نوبت آئی ہو صحیح تاریخوں اور مذہبی نوشتوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، لیکن جب اس ملک پر انگریزوں کا منحوس سایہ پڑا اور ان کا یہاں عمل دخل شروع ہوا تو انھوں نے اپنی بدنام زمانہ پالیسی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے تحت یہاں کے لوگوں میں باہمی منافرت اور تصادم پیدا کرنے کی غرض سے مسجد، مندر، جنم استھان وغیرہ کا خود ساختہ قضیہ چھیڑ دیا جس کے نتیجہ میں ۱۸۵۵ء/۱۲۷۲ھ میں اجودھیا کے اندر زبردست خونریزی ہوئی، جس کی تفصیل احقر کی تالیف ''اجودھیا کے اسلامی آثار'' میں ملاحظہ کی جائے، اسی وقت سے اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی، اور نوبت بایں جارسید۔

شاطر انگریزوں نے سب سے پہلے ''جنم استھان'' اور ''سیتا کی رسوئی'' کا افسانہ ترتیب دیا اور ایک بدھسٹ نجومی کو پہلے سے سکھا پڑھا کر ان دونوں مقامات کی جگہ معلوم

کی، اس نے طے شدہ سازش کے مطابق زائچہ کھینچ کر بتادیا کہ ''جنم استھان'' اور ''سیتا کی رسوئی'' بابری مسجد سے متصل احاطہ کے اندر ہے، پھر اپنے زیر اثر ہندوؤں کو اکسایا کہ ان دونوں ''پوتر استھانوں'' کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، ''نقی علی خاں'' جو نواب واجد علی کا خسر اور وزیر تھا، انگریزوں کی اس سازش میں ان کا مؤید اور طرف دار تھا، اس نے اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ ناعاقبت اندیش نواب کو اس بات پر راضی کرلیا کہ بابری مسجد سے باہر مگر اس کے احاطہ کے اندر جنم استھان و سیتا رسوئی کے لئے جگہ دیدی جائے، چنانچہ مسجد کے مسقّف حصہ کے بالمقابل احاطہ مسجد کی دیوار سے متصل داہنی سمت ''سیتا رسوئی'' کے لئے اور صحن مسجد سے باہر بائیں پورب کی جانب جنم استھان کے نام سے ۲۱ رفٹ لمبی اور ۱۷ رفٹ چوڑی جگہ دیدی گئی، جس پر اسی وقت سے پوجاپاٹ کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا، حالانکہ جس وقت یہ افسانہ ایجاد کیا گیا اس سے برسہا برس پہلے سے قلب شہر میں جنم استھان کا مندر موجود تھا اور آج بھی موجود ہے، اس وقت مسجد اور جنم استھان کے درمیان حد فاصل قائم کرنے کی غرض سے صحن مسجد کے اردگرد آہنی سلاخوں کی باڑھ کھڑی کردی گئی، اسی منحوس تاریخ سے اجودھیا میں مذہبی کش مکش شروع ہوگئی اور یہاں کے ہندو مسلم، مندر مسجد کے نام پر آپس میں دست بگریباں ہوگئے۔

خدا سمجھے بت سحر آفریں سے
گریباں کو لڑایا آستیں سے

۱۸۵۷ء میں جب کہ ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں نے متحد ہوکر بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا بگل بجایا، ضلع فیض آباد کے گزیٹر سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت باہمی اتفاق و یگانگت کو مستحکم کرنے کی غرض سے اجودھیا کے مسلم رہنما امیر علی اور ہندو رہنما باباچرن داس نے رام جنم استھان اور بابری مسجد کے تنازعہ کو ہمیشہ کے واسطے ختم کرنے کی غرض سے ایک معاہدہ کیا کہ رام جنم استھان کی مخصوص متنازعہ اراضی ہندوؤں کے حوالہ کردی جائے اور ہندو بابری مسجد کی عمارت سے دست کش ہوجائیں، چنانچہ اس معاہدہ پر فریقین خوشی خوشی راضی ہوگئے اور دوسال سے اختلاف کی

جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ٹھنڈی ہوگئی، مگر انگریزوں کو یہ ہندو مسلم اتحاد گوارہ نہ ہوا، انھوں نے بابا رام چرن داس اور امیر علی دونوں کو ایک ساتھ املی کے پیڑ پر لٹکا کر پھانسی دیدی اور مندر مسجد کے نزاع کو از سر نو زندہ کرنے کی غرض سے متنازعہ رام جنم استھان اور بابری مسجد کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی، دونوں کے راستے بھی الگ الگ بنا دیئے اور مسجد کے شمالی دروازہ سے مسجد میں داخلہ پر پابندی عائد کردی، اور —— جذباتی ہندؤں کو اکسایا کہ وہ اس تقسیم کو مسترد کرکے پوری مسجد پر دعویٰ کریں، اسی کے ساتھ مسلمانوں کو بھی برانگیختہ کیا کہ وہ مسجد کی اراضی کے اس بٹوارہ کو تسلیم نہ کریں چنانچہ یہ کشاکش پھر شروع ہوگئی جس کا ایک طویل سلسلہ ہے، تفصیل کے لئے ''اجودھیا کے اسلامی آثار'' کا مطالعہ کیجئے۔

﴿۳﴾

مسجد کو مندر بنانے کی شرمناک سازش

۱۹۴۸/۴۹÷ میں جب کہ ملک فرقہ وارانہ تشدّد کی آگ میں جل رہا تھا، اور پورے ہندوستان میں افراتفری مچی ہوئی تھی ۲۲، ۲۳/دسمبر ۱۹۴۹÷ کی درمیانی رات میں ہنومان گڑھی کے مہنت ''ابھے رام داس'' نے اپنے کچھ چیلوں کے ساتھ مسجد میں گھس کر عین محراب کے اندر ایک مورتی رکھ دی جس کے خلاف اس وقت ڈیوٹی پر مقرر کانسٹبل ''ماتو پرشاد'' نے صبح کو تھانہ میں حسب ذیل رپورٹ درج کرائی۔

> ''ابھے رام داس، سدرشن داس اور پچاس ساٹھ نا معلوم لوگوں نے مسجد کے اندر مورتی استھاپت (نصب) کرکے مسجد کو ناپاک کردیا ہے۔ جس سے نقص امن کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔''

اس رپورٹ کو بنیاد بنا کر فیض آباد کے سٹی مجسٹریٹ نے دفعہ ۱۴۵ کے تحت مسجد اور اس سے ملحق گنج شہیداں کو قرق کرکے مقفل کردیا اور پریہ دت رام چیرمین کو اس کی حفاظت کے لئے رسیور مقرر کردیا، نیز فریقین کے نام نوٹس جاری کیا کہ اپنے اپنے دعویٰ پر ثبوت پیش کریں، سٹی مجسٹریٹ کا یہ غیر منصفانہ عمل زبان حال سے بتا رہا ہے کہ مسجد میں

بت رکھنے کی کارروائی گہری سازش کے تحت عمل میں لائی گئی تھی، ورنہ ایک قدیم جمعہ وجماعت سے آباد مسجد کے بارے میں ثبوت طلب کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ سیدھی بات یہ تھی کہ ماتو پرشاد کانسٹبل کی رپورٹ کے مطابق مجرمین کو قرار واقعی سزا دی جاتی اور مسجد سے مورتی نکال کر اس مسئلہ کو ختم کردیا جاتا، مگر حیرت ہے کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کو اس سنگین معاملہ پر توجہ دلائی اور انھوں نے یوپی کے وزیر اعلیٰ گووند بلبھ پنت کو لکھا کہ اس مسئلہ کو فی الفور حل کریں، پھر بھی اس سلسلے میں کوئی مثبت کارروائی نہیں کی گئی، اور مذہبی جانبداری واقتدار سیکولرزم اور قانون وانصاف پر غالب رہا، گویا ملک کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کا اولین صلہ آزاد ہونے کے بعد یہ دیا گیا کہ ان کی قدیم متبرک عبادت گاہ میں مورتیاں رکھ دی گئیں اور اس کے منبر ومحراب جواب تک رکوع وسجود سے آباد تھے مقفل کردیئے گئے۔

دیکھیں اس آغاز کا ہوتا ہے کیا انجام کار

اس حادثہ کے وقت مولانا آزاد نے کہا تھا کہ ''میرے ذہن میں یہ سوال گونج رہا ہے کہ مستقبل میں مسلمانوں کو ایک ملت کی حیثیت سے قبول کیا جائے گا یا نہیں، اگر اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے تو بابری مسجد سے بت ہٹادیئے جائیں گے، اور اگر آئندہ چل کر اس کی نفی ہوتی ہے تو انتظار کیجئے دوسری مسجدوں میں بھی اس طرح کے حادثات پیش آسکتے ہیں۔'' آج کے واقعات سے مولانا آزاد کے خدشات صحیح ثابت ہورہے ہیں۔

اس حادثہ کے بعد ۱۶رجنوری ۱۹۵۰÷ کو گوپال سنگھ نامی ایک شخص نے ظہور احمد، حاجی محمد فائق، حاجی پھیکو، احمد حسن عرف اچھن، محمد سمیع، ڈی، نیم سٹی مجسٹریٹ اور سرکار اتر پردیش کو پارٹی بنا کر یہ دعویٰ دائر کردیا کہ مسجد جنم استھان ہے، ہم یہاں پوجا پاٹ کرتے ہیں مگر مسلمان اور ضلع حکام اس میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، لہٰذا اس رکاوٹ کو ختم کرکے ہندوؤں کو اس میں پوجا پاٹ کی باضابطہ اجازت دی جائے، اس مقدمہ کے دائر ہونے کے تیسرے دن یعنی ۱۹رجنوری ۱۹۵۰÷ کو عدالت نے ایک حکم امتناعی کے ذریعہ

ہندو مسلمان دونوں کا داخلہ مسجد میں ممنوع قرار دے دیا پھر ۱۳/مارچ ۱۹۵۱ء میں عدالت نے پجاری کو مسجد کے اندر جا کر پوجا اور بھوگ کرنے کی اجازت دیدی، مگر مسلمان اپنی عبادت گاہ میں خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کا نام لینے سے محروم رہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب ظلم و ناانصافی کو طاقت وحکومت کی پشت پناہی حاصل ہوجاتی ہے تو آئین و قانون اور عدالت سب اس کے آگے سر بسجود ہوجاتے ہیں۔

دعویٰ مذکورہ کی جواب دہی کرتے ہوئے فیض آباد کے ایس پی کرنا سنگھ نے یکم جون ۱۹۵۰ء کو جو جواب دعویٰ عدالت میں داخل کیا اس میں لکھا تھا کہ

''زمانہ قدیم سے بابری مسجد ہے اس میں مسلمان ہمیشہ سے نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں ہندوؤں کا اس سے کوئی واسطہ اور سروکار نہیں ہے۔''

ڈپٹی کمشنر فیض آباد نے اسی مقدمہ سے متعلق یکم جولائی ۱۹۵۰ء کو جو حلف نامہ داخل کیا تھا اس میں بھی ''بابری مسجد'' کی مسجدیت کا اعتراف و اقرار موجود ہے، مذکورہ بالا مقدمہ کے علاوہ ۱۹۶۱ء میں دو مزید مقدمات دائر کئے گئے ایک رام چندر داس کی جانب سے اور دوسرا نرموہی اکھاڑہ کی طرف سے، جس کے جواب میں جمعیۃ علماء ہند اور یوپی سنی سنٹرل وقف بورڈ کی طرف سے بھی مقدمات قائم کئے گئے جن میں کہا گیا تھا کہ یہ بابری مسجد مسلمانوں کی مسجد ہے جس میں وہ ۱۵۲۸ء سے برابر عبادت کرتے رہے ہیں لہٰذا یہ مسجد انھیں واپس دی جائے اور نماز وغیرہ میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔

تقریباً ۳۵/سال کے طویل عرصہ تک یہ مقدمات عدالت میں معطل پڑے رہے، ....ان سے متعلق کوئی مؤثر کارروائی نہیں کی گئی، اس دوران پولیس اور رسیور کی نگرانی کے باوجود مسجد کے اندر اور باہر خلاف قانون بہت سی تبدیلیاں کردی گئیں، مثلاً مسجد کے صدر دروازہ پر جلی حرفوں میں ''اللہ'' کندہ تھا جسے کھرچ دیا گیا، دروازہ پر جنم استھان مندر کا بورڈ لگا دیا گیا، احاطہ کی شمالی چہار دیواری اور مسجد کی درمیانی جگہ میں سفید و سیاہ سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا جسے پری کرما کا نام دیا گیا، صحن مسجد میں اتر جانب ایک ہینڈ پائپ نصب کرلیا گیا، مسجد سے باہر پورب سمت ایک سفالہ پوش مندر اور مندر کے پجاری کے لئے ایک کمرہ تعمیر

کرلیا گیا دکھن جانب نام نہاد جنم استھان کے چبوترہ پر بھی ایک مندر بنالیا گیا اور مسجد کے درمیانی گنبد پر ایک بھگوا جھنڈا لگا دیا گیا یہ ساری تبدیلیاں ۱۹٦۷÷ اور ۱۹۸٦÷ کے درمیانی عرصہ میں کی گئیں مگر رسیور، انتظامیہ اور عدالت کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔

﴿۴﴾

عدالت نے اقتدار کے دباؤ میں مسجد کے اندر مورتی پوجا کی غیر منصفانہ اجازت دیدی

مسلمانوں کو کسی حد تک اطمینان تھا کہ مسجد مقفل ہے اور ہائی کورٹ میں اس کے مقدمات کی سماعت ہورہی ہے، عدلیہ اس بارے میں جو فیصلہ کرے گی اسے تسلیم کرلیا جائے گا، کیونکہ عدلیہ پر ان کا اعتماد ابھی مجروح نہیں ہوا تھا، اسی پرامن ماحول میں ۲۵/جنوری ۱۹۸٦÷ کو ''رمیش پانڈے'' ایک غیر متعلق شخص نے جو بابری مسجد سے متعلق کسی بھی مقدمہ میں فریق نہیں تھا صدر منصف فیض آباد کی عدالت میں یہ درخواست گذاری کہ

> ''جنم استھان میں پوجا پاٹ کی اجازت ہونی چاہئے اس لئے عدالت ضلع انتظامیہ کو حکم دے کہ جنم بھومی بابری مسجد کا تالا کھول دے تاکہ میں اور دوسرے ہندو بغیر کسی رکاوٹ کے پوجا کرسکیں۔''

صدر منصف نے یہ کہہ کر درخواست مسترد کردی کہ ''اس مقدمہ کی رہنما فائل ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے اس لئے اس درخواست پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا'' منصف کے اس فیصلہ کے خلاف مسٹر کے، ایم، پانڈے ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں ۳۰/جنوری ۱۹۸٦÷ کو اپیل دائر کی گئی ڈسٹرکٹ جج نے یکم فروری ۱۹۸٦÷ کو پونے بارہ بجے یہ یکطرفہ فیصلہ سنادیا کہ ''ضلع انتظامیہ تالا کھول دے اور رمیش پانڈے و دیگر پجاریوں کو پوجا پاٹ کی عام اجازت دی جائے، اس میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے، نیز ضلع انتظامیہ لا اینڈ آرڈر بحال رکھنے کے لئے مناسب کارروائی عمل میں لائے۔''

اس غیر عادلانہ فیصلے کے بعد بغیر کسی تاخیر کے ۵ بجکر ۱۹ منٹ پر بابری مسجد کا تالا کھول دیا گیا جو ۱۹۵۰ء میں حکم امتناعی کے نفاذ میں لگایا گیا تھا اور ہزاروں ہندو جو وہاں جمع کئے گئے تھے پوجا پاٹ کے لئے مسجد میں داخل ہوگئے، تالا کھولنے کی اس شرمناک تقریب کو ہمارے سیکولر ملک کے نشریاتی ادارہ ''دوردرشن'' نے بڑے اہتمام سے نشر کیا تاکہ مسلمانوں کے زخمی دلوں پر اچھی طرح سے نمک پاشی ہوجائے، علاوہ ازیں پورے ملک میں اس کا جشن منایا گیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کو شکست دیدی گئی، اس کھلی ہوئی بے انصافی پر مسلمانوں کی طرف سے احتجاج کیا گیا تو رائفل کی گولیوں سے احتجاج کرنے والوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کردیا گیا، خاص طور پر بارہ بنکی، بنارس، بنگلور وغیرہ شہروں میں سرکاری پولیس نے مسلمانوں کے خلاف دردناک بہیمیت کا برتاؤ کیا، بعد میں یہ بات عام طور پر مشہور ہوگئی کہ سیکولرزم کی علمبردار کانگریس حکومت کے وزیراعلیٰ اترپردیش اور ایک مرکزی وزیر کے اشارے پر تالا کھولا گیا تھا، آئندہ کے واقعات ومشاہدات نے واضح کردیا کہ یہ شہرت بے بنیاد نہیں تھی۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ بغیر مضبوط سیاسی پشت پناہی کے عدالت کو اس طرح سے قانون وانصاف کی دھجیاں اڑانے کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی۔

مسجد کو مسمار کرکے اسکی جگہ پر رام مندر بنانے کا مجرمانہ اعلان وسرگرمیاں

مسجد میں عام پوجا پاٹ کی اجازت حاصل ہوجانے سے ہندو احیاء پرستوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور اب ایک قدم آگے بڑھا کر مسجد کو منہدم کرکے اس کی جگہ نیا مندر بنانے کی تشدد آمیز جدوجہد شروع کردی گئی، حکومتوں کے تجاہل اور دورخی پالیسی کی بنا پر انھیں مزید حوصلہ ملا، چنانچہ وشوہندوپریشد کے سربراہ سنگھل نے دھمکی کی زبان میں یہ کھلا اعلان کیا کہ ۹ نومبر ۱۹۸۹ء کو مندر کا شلانیاس (سنگِ بنیاد) ہوگا، اور ملک کی کسی سیاسی پارٹی کی یہ ہمت نہیں ہے کہ ہمارے اس پروگرام کو روک دے عام ہندوؤں کو ہم نوا بنانے

کی غرض سے پروگرام یوں ترتیب دیا گیا کہ ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۹ء سے ملک گیر شلا پوجن مہم شروع کی جائے جس کے تحت ملک بھر کے پانچ لاکھ پچھتّر ہزار گاؤں میں ایک ایک شلا (اینٹ) بھیج کر اس کا پوجن کرایا جائے اور دیواستھان اکادشی (۹ر نومبر) کے دن یہ ساری اینٹیں اجودھیا پہنچا دی جائیں اور اسی دن رام مندر کا شلا نیاس کیا جائے، وشوہندو پریشد وغیرہ جارحیت پسند تنظیمیں اپنے سربراہ کے اعلان کے مطابق شلا پوجن کے نام پر گاؤں گاؤں گھوم کر نفرت وتشدد کا زہر پھیلاتی رہیں اور ہماری سیکولر حکومتیں اپنی خاموشی سے ان کا تعاون کرتی رہیں تا آنکہ کانگریسی حکومت کے وزیر داخلہ نے متعینہ تاریخ یعنی ۹ر نومبر کو وشوہندو پریشد کے ہاتھوں متنازعہ اراضی پر شلا نیاس کی اجازت دے کر مسلمانوں کو آگاہ کر دیا کہ بابری مسجد کے انہدام اور مندر کی تعمیر کا وقت قریب آ گیا ہے، وزیر داخلہ نے اس سلسلہ میں حیرت ناک حد تک گمراہ کن رویہ اختیار کیا، ایک طرف تو وہ اعلان کرتے رہے کہ متنازعہ جگہ پر شلا نیاس کی اجازت نہیں دی جائے گی اور دوسری طرف اندر اندر وشوہندو پریشد سے ساز باز بھی کرتے رہے، حکومت کی اس منافقانہ پالیسی نے فرقہ پرست تنظیموں کو اس قدر جری بنا دیا کہ ۲۳ر جون ۱۹۹۰ء کو ہری دوار میں ہندو مذہبی لیڈروں نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر طے کیا کہ اگست سے اکتوبر تک پورے ملک میں جگہ جگہ جلوس نکالے جائیں، گاؤں گاؤں سے مندر کی تعمیر کے لئے والنٹیر جمع کئے جائیں، اور ۳۰ر اکتوبر کو مسجد کی جگہ پر رام مندر کی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے، اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آر، ایس ایس، بی، جے، پی، وشوہندو پریشد، بجرنگ دل اور ان کی ہم نوا تمام فرقہ پرست پارٹیاں میدان میں نکل پڑیں، بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر لال کرشن ایڈوانی نے سومناتھ سے اجودھیا تک کی رتھ یاترا شروع کی، اس رتھ یاترا میں انتہائی اشتعال انگیز اور دل خراش تقریریں کی گئیں، جس کے نتیجہ میں بڑودہ، بنگلور، کرناٹک، مدھیہ پردیش اور یوپی کے بعض اضلاع میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی، لیکن حکومت وقت جس کی اولین واہم ترین ذمہ داری اپنے شہریوں کی جان ومال اور آبرو کی حفاظت ہے خود اپنی حفاظت کے بندوبست اور اپنی جان بچانے کی فکر میں مصروف رہی

اور جارحیت کا عفریت ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھوم کر آگ وخون کا طوفان برپا کرتا رہا بہرحال اعلان کے مطابق بھاری تعداد میں کارسیوک ۳۰/اکتوبر ۱۹۹۰؁ کو اجودھیا پہنچ گئے، اور بابری مسجد کو مسمار کرنے کی اپنی جیسی کوششیں بھی کیں، حتی کہ مسجد کے گنبدوں اور دیواروں کو مجروح بھی کر دیا، مگر وزیر اعلیٰ یوپی کے سخت رویہ کی وجہ سے انھیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو نے قابل تعریف ہمت وجرأت کا ثبوت دیا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر نہ صرف بابری مسجد کو بچالیا بلکہ سیکولر اور جمہوری قدروں کی آبرو رکھ لی رام بھگت اور کارسیوک کے نام سے اجودھیا میں اکٹھا بلوائی جب بابری مسجد کے انہدام میں ناکام ہو گئے تو انھوں نے اپنا غصہ مسلمانوں پر اتارا، اور پی، اے، سی کے تعاون سے ملک گیر فساد برپا کر دیا جس میں سینکڑوں مسلمان شہید کئے گئے اوران کی کروڑوں کی جائیدادیں لوٹ لیں، یا نذر آتش کر دی گئیں، وی، پی سنگھ جنھوں نے بھاجپا کے اشتراک سے حکومت بنائی تھی اپنے اقتدار کو بچانے کی غرض سے منافقانہ پالیسی پر عمل پیرا رہے، لیکن ان کا یہ بزدلانہ رویہ ان کی کرسیٔ اقتدار کو نہ بچا سکا، نفرت کی آگ نے ملک کے امن کے ساتھ اسے بھی بھسم کر دیا۔

وی، پی سنگھ سرکار کے خاتمہ کے بعد چندر سیکھر نے زمام اقتدار سنبھالی انھوں نے اپنے عہد حکومت میں یہ کام کیا کہ وشو ہندو پریشد اور اس کی حلیف پارٹیوں کو (جنھوں نے روز اول سے تشدد کی راہ اختیار کر کے نہ صرف مصالحانہ گفت وشنید کا دروازہ بند کر رکھا تھا بلکہ عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں تھیں) بات چیت پر راضی کر لیا، چنانچہ ان کے اور ایکشن کمیٹی بابری مسجد کے لیڈروں کے درمیان براہ راست گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا، فریقین نے اپنے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں تحریری دلائل بھی فراہم کئے، گفتگو کا یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ چندر سیکھر حکومت ہی ختم ہوگئی، بالآخر ملک میں الیکشن ہوا جس کے نتیجہ میں کلیان سنگھ کی زیر سرکردگی یوپی میں بھاجپا کی حکومت قائم ہوئی اور مرکز میں کانگریس نے سیکولرزم کی علامت نرسمہاراؤ کی قیادت میں حکومت بنائی۔

بابری مسجد کی المناک شہادت

بھارتیہ جنتا پارٹی اپنی فرقہ پرست ذہنیت کی بنا پر ہمیشہ ہی سے بابری مسجد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اسے غلامی کی علامت قرار دیتی تھی، اب ریاست میں اس کی حکومت تھی اس لئے وہ اس مسجد کو کیونکر برداشت کر سکتی تھی، چنانچہ بھاجپائی وزیر اعلیٰ کلیان سنگھ نے وزارت سازی کے بعد جو اولین کام کیا وہ یہ تھا کہ اپنے وزیروں کو ساتھ لے کر اجودھیا آئے اور بابری مسجد میں نصب مورتی کے پاس کھڑے ہو کر یہ عہد کیا کہ ''رام للہ ہم آئیں گے مندر یہیں بنائیں گے'' اس عہد و پیمان کے بعد کلیان سنگھ حکومت نے قانون و انصاف کو نظر انداز کر کے رام مندر کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرنے کی مہم شروع کر دی، بابری مسجد سے ملحق موقوفہ متنازعہ اراضی کو اپنی تحویل میں لے لیا، پھر اسے وشو ہندو پرشید کے حوالہ کر دیا، جس پر مستحکم بنیادوں کے ساتھ پختہ چبوترہ کی تعمیر کا کام نہایت زور و شور کے ساتھ جاری ہو گیا، جبکہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے احکامات تھے کہ متنازعہ جگہ پر کسی قسم کی تعمیر نہ کی جائے، توہین عدالت کا ارتکاب کرتے ہوئے تعمیر ہوتی رہی اور مسلم لیڈران اس غیر قانونی اقدام پر مرکزی سرکار سے احتجاج کرتے رہے، لیکن مرکزی حکومت نے اس وقت تک کوئی مؤثر حرکت نہیں کی جب تک کہ وشو ہندو پریشد نے اپنے منصوبہ کی تکمیل نہ کر لی۔

چبوترہ کی تعمیر کے بعد وزیر اعظم نے فریقین کے درمیان از سر نو مذاکرات کا سلسلہ شروع کرایا جس کے دو دور حکومت کے ترجمان کے بقول اطمینان بخش اور امید افزا رہے، تیسرے دور کا آغاز ہونے والا ہی تھا کہ اچانک حیرتناک انداز میں وشو ہندو پریشد نے یکطرفہ اعلان کر دیا کہ ۶؍دسمبر ۱۹۹۱ء کو کارسیوا ہوگی، ظاہر ہے کہ اس اعلان کے بعد گفت وشنید کی کیا گنجائش تھی، اس لئے یہ سلسلہ ختم ہو گیا، کارسیوا کے اعلان ہوتے ہی ساری فرقہ پرست تنظیمیں حرکت میں آ گئیں۔ بھاجپا کے سابق اور موجودہ صدر اڈوانی اور جوشی یاترا

پر نکل پڑے، تخریب کار عناصر کارسیوک کے نام پر اجودھیا میں جمع ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے سارے ملک کا ماحول کشیدہ وسراسمیہ ہوگیا۔

یو پی کے وزیراعلیٰ کلیان سنگھ نے عدالت اور مرکزی حکومت کو حلفیہ اطمینان دلایا کہ کارسیوا صرف علامتی ہوگی، عدالت اور مرکزی حکومت کے حکم کی سرمو خلاف ورزی نہیں ہوگی، مرکزی وزیر داخلہ قوم کو اطمینان دلاتے رہے کہ بابری مسجد کی حفاظت کا پورا منصوبہ مرتب کرلیا گیا ہے، سیکولر نواز وزیراعظم ہند بھی اعلان پر اعلان کرتے رہے کہ بابری مسجد کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے مرکز سے - اچھی خاصی تعداد میں فوج بھی اجودھیا پہنچ گئی مگر اسے نامعلوم مصالح کی بنیاد پر بابری مسجد سے دوڈھائی کلومیٹر دور رکھا گیا، صوبہ اور مرکز کے نیم فوجی دستے مسجد کی حفاظت کے لئے اس کے چاروں سمت میں متعین کئے گئی مگر انھیں وزیراعظم کی سخت ہدایت تھی کہ رام بھگتوں پر کسی حال میں بھی گولی نہ چلائی جائے۔

بہرحال ان سارے اعلانات و انتظامات کے سائے میں ٦ ردسمبر کی وحشتناک تاریخ آگئی، ایڈوانی، سنگھل، ونے کٹیار، اوما بھارتی وغیرہ دولاکھ کارسیوکوں کی فوج لئے اجودھیا کے میدان میں پہلے ہی سے موجود تھے، ان لیڈروں کی رہنمائی میں کارسیوا شروع ہوئی اور تشدد پر آمادہ تربیت یافتہ کارسیوکوں نے گیارہ بج کر پچپن منٹ پر بابری مسجد پر دھاوا بول دیا اور بغیر کسی مزاحمت کے پورے اطمینان سے چار بجے تک اسے توڑتے اور ملبہ کو دور پھینکتے رہے یہاں تک کہ صفحۂ زمین سے بابری مسجد کا نام ونشان ختم کردیا گیا۔

وزیر داخلہ اور وزیراعظم کو ایک ایک منٹ کی خبر پہنچتی رہی مگر نہ مسجد کی حفاظت کا مرتبہ منصوبہ روبہ عمل آیا اور نہ ہی اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا فریضہ ادا کیا گیا، اس طرح ٢٢/٢٣ ردسمبر ١٩٤٩ء کو بابری مسجد کے خلاف جو تحریک شروع کی گئی تھی، ٦ ردسمبر ١٩٩١ء کو سیکولرزم وجمہوریت کے زیرسایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔

وزیراعلیٰ کلیان سنگھ کا منصوبہ چونکہ پورا ہوچکا تھا اس لئے وہ حکومت سے دست بردار ہوگئے، نظم ونسق کی ذمہ داری مرکز کے سر آگئی، صدر راج کا نفاذ ہوگیا، اس کے

باوجود تقریباً ۴۸ گھنٹے تک اجودھیا مکمل طور پر کارسیوکوں کے تصرف میں رہا جنھوں نے اجودھیا کی دیگر بہت ساری مسجدوں کو بھی بالکل مسمار کردیا یا توڑ پھوڑ کرا اپنے خیال میں ناقابل استعمال بنادیا، اوراجودھیا میں آباد مسلم گھرانوں کو تہس نہس کرڈالا، اسی وقفہ میں بابری مسجد کی جگہ پرایک گھروندا بنا کر مورتی نصب کردی جس کی پوجا پاٹ بھی شروع کردی گئی، رام بھگت جب اپنی رام بھگتی کے سارے کاموں سے باطمینان فارغ ہوگئے تو مرکزی سرکار کے انتظام میں سرکاری سواریوں کے ذریعہ باعزت طور پر انھیں ان کے ٹھکانوں تک پہنچا دیا گیا۔

مسلمانوں کے مذہبی ناموس پر یہ ایسا حملہ تھا جس کی کرب ناکی سے بے چین اور مضطرب ہوکر وہ چیخ اٹھے تو مظلوموں کی یہ بیتابانہ آہ بھی ہماری سیکولر حکومتوں کو گوارہ نہیں ہوئی جس کی سزا میں ہزاروں مسلمانوں کو خون کی موجوں اور آگ کی لہروں میں غرق کردیا گیا، آج وہ کون سی ریاست ہے جو مظلوم مسلمانوں کے خون سے لہولہان نہیں ہے، وہ کون سا شہر ہے جس کی فضا یتیموں کی گریہ وزاری، بیواؤں کے نالۂ وشیون اور غمزدہ ماؤں کی آہ سرد سے کربناک نہیں ہے، جمہوریت اور سیکولرزم کے دعویدار ملک اور ایک سیکولر پارٹی کی حکومت میں اس جماعت پر یہ انسانیت سوز مظالم جس نے ملک کی آزادی میں بےلوث قربانیاں دی ہیں کس قدر شرمناک بات ہے، آخر مسلمان اس ملک کی قربان گاہ پر کب تک بھینٹ چڑھتا رہے گا۔

تجھ کو کتنوں کا لہو چاہئے اے ارض وطن   جو ترے عارض بے رنگ کو گلنار کریں
کتنی آہوں سے کلیجہ ترا ٹھنڈا ہوگا   کتنے آنسو ترے صحراؤں کو گلزار کریں

سب کچھ لٹ جانے کے بعد وزیر داخلہ ہند صاحب بیان دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی پوری حفاظت کی جائے گی اور انھیں مکمل انصاف ملے گا، وزیراعظم نے بھی اعلان کیا کہ بابری مسجد دوبارہ تعمیر کرائی جائے گی، مگر اس اعلان پر ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا تھا کہ بمبئی میں مسلمانوں پر شیوسینا کے خونخوار درندے ٹوٹ پڑے، سیکڑوں مسلمان ان کے ہاتھوں ہلاک ہوگئے، اربوں کھربوں کی ان کی املاک لوٹ لی گئیں یا نذرِ آتش کردی گئیں، شیوسینا

کے یہ درندے عروس البلاد میں درندگی مچاتے گھومتے رہے اور ہماری حکومت دم سادھے بیٹھی رہی، جب مسلمانوں کا خون پیتے پیتے ان درندوں کا جی بھر گیا تب جا کر بہیمیت کا یہ رقص ختم ہوا، رہا بابری مسجد کی تعمیر کا مسئلہ، تو جو حکومت قدیم عمارت کی حفاظت نہ کر سکی اس سے جدید تعمیر کی توقع رکھنی خود اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔

اس وقت تو حکومت تذبذب کا شکار ہے ایک طرف قانون وانصاف کے تقاضے ہیں تو دوسری طرف ووٹ اور کرسئ اقتدار کا مسئلہ ہے، اس لئے گھبراہٹ میں کبھی آرڈی ننس کا سہارا لے رہی ہے تو کبھی عدالت کی پناہ تلاش کرتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے نینی سنٹرل جیل میں بغاوت کے مقدمہ میں اپنا جو تحریری بیان دیا تھا اس کے درج ذیل اقتباس کو تاریخ کے حوالہ کے بغیر پڑھئے، اس کی ایک ایک سطر میں حالات حاضرہ کی عکاسی نظر آئے گی، مولانا آزاد اپنے بیان کے ایک پیراگراف میں لکھتے ہیں:

> ''یہ پریشانی گورنمنٹ کو خود اسی کی منافقانہ روش کی وجہ سے پیش آ رہی ہے ایک طرف وہ چاہتی ہے کہ شخصی حکمرانوں کی طرح بے دریغ جبر وتشدد کرے، دوسری طرف چاہتی ہے کہ نمائش قانون وعدالت کی آڑ بھی قائم رہے، یہ دونوں باتیں متضاد ہیں، ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں نتیجہ یہ ہے کہ اس کی پریشانی ودرماندگی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔
>
> میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ آدمی اپنے تمام کپڑے اتار ڈالے اس لئے کہ شریف آدمی آنکھیں بند کر لیں گے، شریف آدمیوں نے سچ مچ آنکھیں بند کر لی ہیں لیکن دنیا کی آنکھیں بند نہیں ہیں، فی الحقیقت ''لا'' اور ''آرڈر'' کا ایک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے جسے ہم کامیڈی اور ٹریجڈی دونوں کہہ سکتے ہیں وہ تماشا کی طرح مضحک بھی ہے اور مقتل کی طرح درد انگیز بھی، لیکن میں ٹریجڈی کہنا زیادہ پسند کروں گا۔''

بابری مسجد کی تاریخ کے ساتویں مرحلے کا انتظار کیجئے دیکھئے یہ کب معرض وجود میں آتا ہے۔ ''لعَلّ اللّٰه یحدث بعد ذٰلك امرًا''